ایرانی جوہری ہتھیار؟

پابندیوں اور فوجی کارروائی کی متبادل شکلیں

تحریر: اینتھونی ایچ کورڈزمین، خالد آرالرضحان *

ترجمہ: ثروت جمال اصمعی

اگرچہ یہ جاننے کا کوئی طریقہ نہیں کہ جوہری ہتھیار کے حوالے سے مستقبل میں ایران کی حکمت عملی اور اس پر عالمی برداری کا ردعمل کیا ہوگا، تاہم جوہری ہتھیاروں کے حصول کے لیے ایران کی کوششیں جوہری پھیلاؤ پر کنٹرول کے پورے نظام کی آزمائش کے مترادف ہیں۔ اس بناء پر یہ سوالات اہم ہیں کہ کامیابی کی صورت میں ایران جوہری صلاحیت کو کس طرح استعمال کرسکتا ہے اور خلیج کے علاقے کی سلامتی پر --- جہاں دنیا کے تیل اور گیس کے مجموعی ذخائر کی بالترتیب ۶۰ اور ۳۷ فی صد مقدار پائی جاتی ہے --- اس کے کیا اثرات ہوں گے جبکہ یہ واضح ہے کہ ایران کی یہ کوشش علاقائی استحکام کو بہت زیادہ متاثر کرے گی اور اس کی بناء پر علاقے کا فوجی نقشہ بالکل بدل جائے گا۔ ایران اپنی جوہری صلاحیت کو محض دفاع کی حد تک بھی محدود رکھ سکتا ہے اور اپنے مقاصد کے لیے اس سے اپنے پڑوسی ملکوں پر دباؤ ڈالنے کا کام بھی لے سکتا ہے۔ ایران کے جوہری طاقت بن جانے سے خطے

---

* اینتھونی کورڈزمین ''سینٹر فار اسٹریٹیجک اینڈ انٹرنیشنل اسٹڈیز'' میں مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیا کے ماہر کی حیثیت سے تحقیق کا کام کررہے ہیں جبکہ خالد آرالرضحان اسی ادارے میں وزٹنگ اسکالر کی حیثیت سے تحقیق کے ساتھ منسلک ہیں۔ زیر مطالعہ مضمون ۳۰ اگست ۲۰۰۶ء کو ''سینٹر فار اسٹریٹیجک اینڈ انٹرنیشنل اسٹڈیز'' کی طرف سے شائع ہوا۔

کی دوسری جوہری طاقتوں میں سے اسرائیل میں یقینی طور پر اور پاکستان اور بھارت میں امکانی طور پر حسب ضرورت ایران پر حملے کے لیے تیار رہنے کی سوچ ابھر سکتی ہے۔ خلیج میں موجود امریکا اور اس کی اتحادی طاقتوں کو جوہری جنگ یا جوہری پھیلاؤ کے خطرے کے حوالے سے منصوبہ بندی کرنا ہوگی اور احتیاطی تدابیر اور پیشگی حملے وغیرہ کی مختلف ممکنہ صورتوں پر غور کرنا ہوگا۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے پرعزم ایران کو فوجی اقدام یا پابندیوں کے ذریعے روکنا مشکل ہوگا۔ اس کے نتیجے میں وہ اپنے پروگرام کو مزید خفیہ انداز میں آگے بڑھانے کی کوشش کر سکتا یا حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیاروں وغیرہ کی صورت میں متبادل راستے ڈھونڈ سکتا ہے۔ اس کے باوجود فوجی اقدام اور پابندیوں وغیرہ کے طریقے موثر ثابت ہو سکتے ہیں خصوصاً اس صورت میں کہ ایران میں سیاسی حالات تبدیل ہو جائیں۔ بہرصورت اگر ایران اپنے پروگرام کو جاری رکھنے میں پرعزم ہو اور اس کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہو تو اقدامات کا کوئی ایک مجموعہ اسے روکنے کے لیے کافی نہیں ہوگا۔

مہلک ہتھیار سازی کی ایرانی صلاحیتوں کا غیر یقینی مستقبل

ایران جوہری طاقت بنا تو اس کی نوعیت کیا ہوگی، اس کے ہتھیار کس قسم کے ہوں گے اور ان کی تعداد کتنی ہوگی... یہ سب ابھی بالکل غیر واضح ہے۔ ممکن ہے ایران اس حد تک تیاری رکھے کہ ضرورت پڑنے پر تیزی سے ہتھیار بنا لے۔ یا جوہری صلاحیت حاصل کرنے کے بعد اس کا تجربہ اور اعلان نہ کرے۔ یا تجربہ کر کے ہتھیاروں کا ذخیرہ کر لے اور ان ہتھیاروں سے اپنے میزائلوں اور طیاروں کو لیس نہ کرے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کھلم کھلا ایٹمی تجربہ کر کے اپنے ایٹمی طاقت بن جانے کا اعلان کر دے۔ وہ ان میں سے جو راستہ بھی اختیار کرے گا، سعودی عرب سمیت اس کے دوسرے پڑوسیوں اور اسرائیل و امریکا کا ردعمل بھی اسی کے مطابق ہوگا۔ ایران جس راستے کا انتخاب کرے گا، اسی کے مطابق خطے میں ہتھیاروں کی دوڑ شروع ہوگی اور اس سے بچاؤ کے طریقے اپنائے جائیں گے۔

امریکی یا اسرائیلی حملے سے نمٹنے یا یورپی ملکوں اور اقوام متحدہ کے مطالبات تسلیم کرنے کی صورت میں ایران کے سامنے متبادل راستے

ایران کے سامنے جوہری ہتھیاروں کی تیاری کے لیے نوعیت کے اعتبار سے انتخاب کا وسیع میدان ہے خواہ اسے کسی قسم کے پیشگی حملے ہی کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ مثلاً اپنی تیاری کے معاملے میں وہ ابہام کی پالیسی جاری رکھے، یا اپنی کوششوں میں طویل وقفہ دے کر دنیا کو یہ تاثر دے کہ وہ عالمی برداری کے مطالبات کے مطابق عمل کر رہا ہے، یا نچلی سطح پر غیر محسوس طور پر کام اس طرح جاری رکھے کہ ضرورت پڑنے پر ہتھیار تیار کر لے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ زلزلے وغیرہ کا تاثر دے کر وہ خفیہ تجربہ کر ڈالے۔ یا ہتھیار سازی کے لیے اس وقت کا انتظار کرے جب اس کے سول ایٹمی ری ایکٹر اس لائق ہو جائیں گے کہ اسے کسی بیرونی مدد کی ضرورت نہ رہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اعلان کے بغیر محدود تعداد میں ہتھیار تیار کر لے اور کسی وقت اچانک تجربہ کر ڈالے۔ یا شہاب میزائلوں کو روایتی ہتھیاروں سے لیس کر کے ہدف تک پہنچانے کی صلاحیت حاصل کرے اور پھر انہیں جوہری ہتھیار سے مسلح کر دے۔ جوہری دھماکے کے بجائے حقیقی تھرمونیوکلیئر ہتھیار بنانے پر توجہ دے۔ چھوٹے اور ریڈیالوجیکل ہتھیار تیار کرے تاکہ انہیں خفیہ طور پر خطے میں اپنی حامی قوتوں کو منتقل کر کے اس صورت حال کو اپنے دفاع کے لیے استعمال کر سکے۔ اس امکان کو بھی مسترد نہیں کیا جا سکتا کہ ایران کو جوہری ہتھیار نہ بنانے کا فیصلہ کرنا پڑا تو وہ مختلف قسم کے حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیار بنانے پر اپنی کوششیں مرتکز کر دے گا۔ ان ہتھیاروں کو ایران اپنے لڑاکا طیاروں یا میزائلوں کے ذریعے ہدف پر پہنچا سکتا ہے یا اپنی حامی تنظیموں اور گروپوں کو خفیہ طور پر منتقل کر سکتا ہے۔ شہاب سوم میزائل سعودی عرب کے متعدد شہروں سمیت خلیج کے تمام مقامات کو نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ امکان بھی ہے کہ ایران کے مہلک ہتھیار کسی سعودی مخالف گروپ تک پہنچ جائیں یا ایران اپنے مقاصد کے لیے انہیں سعودی عرب کے خلاف استعمال کرے۔ فی الوقت ایسی کسی شکل کا رونما ہونا قرین قیاس نہیں مگر سعودی عرب اس حوالے سے پریشان ہے۔

ایران کے جوہری نظریے، منصوبوں ،اہداف اور مستقبل کے عزائم وغیرہ کے بارے میں ضروری معلومات بہت کمیاب ہیں۔اس لیے ظن وتخمین کی بنیاد پر تو بہت باتیں ہوسکتی ہیں مگر متعین طور پر یہ طے کرنا محال ہے کہ ایران نے جوہری صلاحیت حاصل کرلی تو وہ اسے اپنے پڑوسیوں کو ڈرانے دھمکانے یا مغرب پر دباؤ ڈالنے کے لیے کس قدر جارحانہ انداز میں استعمال کرے گا۔تاہم جو بات بالکل عیاں ہے وہ یہ ہے کہ اگر ایران جوہری طاقت بن گیا تو علاقے میں فوجی توازن کی صورت حال میں یکا یک انقلاب واقع ہوجائے گا۔جوہری ہتھیار کے ساتھ ہی ساتھ اگر ایران نے حیاتیاتی اور کیمیائی اور ریڈیالوجیکل ہتھیار بھی تیار کرلیے جس کا امکان موجود ہے،تو معاملہ اور خطرناک ہوجائے گا۔ایران اپنے ڈلیوری سسٹم کے حدود میں واقع تمام اہداف کو تباہ کرسکے گا۔ایران کے خلیجی پڑوسی انتہائی غیر محفوظ ہوجائیں گے کیونکہ یہ ریاستیں ''ایک بم کی مار'' سے زیادہ نہیں۔اس طرح ان کی سیاست اور معیشت سب کو سنگین خطرہ لاحق ہوجائے گا۔یہی بات اسرائیل کے لیے بھی درست ہے اگرچہ وہ میزائل سے بچاؤ کا محدود نظام رکھتا ہے اور مسلسل اسے بہتر بنارہا ہے،اور بھرپور جوابی ایٹمی حملہ کرکے ایران کے تمام شہروں کو تباہ کرسکتا ہے۔

ایران کے مہلک ہتھیاروں کے پروگرام کے لیے بیرونی معاونت

ایران کے مختلف النوع مہلک ہتھیاروں اور میزائل پروگراموں کو ترقی دینے میں بیرونی ملکوں اور بیرونی ذرائع کا بڑا حصہ ہے۔ایران نے بلیک مارکیٹ کے علاوہ روس، یورپی اوپن مارکیٹ حتیٰ کہ انقلاب سے پہلے خود امریکا سے بھی معاونت حاصل کی ہے۔

پاکستان کا کردار

ایران کے جوہری پروگرام میں حکومت پاکستان کی براہ راست شمولیت کا کوئی ثبوت نہیں ملا ۔البتہ یہ انکشاف ہوا ہے کہ اے کیو خان نیٹ ورک نے تہران کی نیوکلیئر ریسرچ کو ترقی دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔امریکا نے اے کیو خان نیٹ ورک پر پی ٹو سنٹری فیوج کا ڈیزائن اور پرزے بھی

ایران کوفراہم کرنے کا الزام لگایا ہے مگر اب تک اس کی تصدیق نہیں ہوسکی۔ اس اعلیٰ درجے کے افزودہ یورینیم کے بارے میں' جو ایرانی نیوکلیئر مراکز میں پایا گیا' امریکا، فرانس، برطانیہ اور روس کے سائنسدانوں کی تحقیق یہ ہے کہ یہ ان آلات کے ساتھ ایران پہنچا تھا جو ایران نے ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کے عشروں کے دوران پاکستان سے خریدے۔ ۲۰۰۵ء کے اوائل میں پاکستان نے عالمی جوہری توانائی ایجنسی کو اپنے جوہری پروگرام میں استعمال ہونے والے آلات ایران کے جوہری آلات سے تقابل کے لیے مہیا کیے تھے۔ تاہم عالمی ادارہ جوہری توانائی اور امریکی انتظامیہ دونوں نے اگست ۲۰۰۵ء میں اس تقابل کے نتائج پر کوئی تبصرہ کرنے سے گریز کیا۔ اس کے باوجود بہت سے ماہرین یقین رکھتے ہیں کہ ایران کو سینٹری فیوج ڈیزائن اور غالباً بعض آلات بھی پاکستان سے فراہم کئے گئے ہیں۔ ۲۰ اگست ۲۰۰۵ء کو عالمی توانائی ایجنسی کے ماہرین نے ناتنز کے سینٹری فیوجز سے ایسے اعلیٰ درجے کے افزودہ یورینیم کے پائے جانے کا دعویٰ کیا جن کا ایران کے اپنے تجربات کا نتیجہ ہونے سے زیادہ پاکستان سے فراہم کیے گئے آلات سے تیار کیے جانے کا امکان تھا۔ اور ایرانی حکومت نے تصدیق کی کہ اس کا ذریعہ ایرانی نہیں ہے۔ ایران کی جوہری صلاحیت کے بارے میں درست اندازہ لگانے کے لیے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ اس نے جوہری بم بنانے کے قابل یورینیم بنانے کی اہلیت حاصل کر لی ہے یا نہیں۔ مگر پاکستان سے باہر کسی کو ڈاکٹر اے کیو خان سے بات چیت کر کے یہ جاننے کا موقع نہیں ملا کہ انہوں نے ایران کو جو تعاون فراہم کیا وہ کس درجے کا تھا اور اس کی حقیقی نوعیت کیا تھی۔ اس کی وجہ مشرف حکومت کی مزاحمت ہے۔ صدر مشرف عالمی توانائی ایجنسی یا امریکا اور یورپ کے ماہرین کی ڈاکٹر خان تک رسائی کو خود پاکستان کی قومی سلامتی کے لیے خطرناک ہونے کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ بہرصورت ۱۰ مارچ ۲۰۰۵ء کو حکومت پاکستان نے تسلیم کیا کہ اس کے جوہری سائنسداں ڈاکٹر اے کیو خان نے یورینیم کی افزودگی کے لیے درکار اہم آلات ایران کو فراہم کیے۔ پاکستان کے وزیر اطلاعات نے انکشاف کیا کہ اے کیو خان نے" ایران کو چند سینٹری فیوجز دیے تھے..... انہوں نے ایران کی مدد اپنی ذاتی حیثیت میں کی تھی۔ حکومت پاکستان کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں

رہا۔'' شیخ رشید نے مزید کہا ''ہاں، ہم نے ایران کو سینٹری فیوج سسٹم فراہم کیا ہے۔ ہاں، ڈاکٹر قدیر (خان) نے ایران کو یہ ٹیکنالوجی دی ہے۔''

یہ اطلاعات بھی منظر عام پر آچکی ہیں کہ اے کیو خان نیٹ ورک کے ایک مبینہ سیلز مین سید طاہر بخاری نے ۱۹۹۰ء کی دہائی میں ایران کو تین ترقی یافتہ سینٹری فیوج فروخت کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ امریکا کو خطرہ ہے کہ یہ نمونے ہزاروں پی ٹو سینٹری فیوج بنانے کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایران کی تحقیق اس مرحلے سے کہیں آگے بڑھ سکتی ہے جہاں اس کے ہونے کا ابھی گمان کیا جاتا ہے۔ ان اطلاعات سے ایران کے اس دعوے کی تردید بھی ہوتی ہے کہ اے کیو خان نے ۱۹۸۷ء کی پیش کش کے ذریعے اسے پی ٹو سینٹری فیوجز کے نمونے نہیں بلکہ محض خاکے فراہم کیے تھے۔ اس کے باوجود امریکی انٹیلیجنس کے نزدیک طاہر بخاری کے یہ دعوے غیر یقینی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دعوے خود اس کے اور اے کیو خان نیٹ ورک سے وابستہ ان دوسرے افراد کے بیانات کی تردید کرتے ہیں جو تہران کو کی گئی اس پیش کش سے متعلق رہے تھے۔ ایران کے جوہری پروگرام میں پاکستان نے کس حد تک تعاون کیا، یہ بات ابھی تک پوری طرح معلوم نہیں ہو سکی۔ اگر عالمی توانائی ایجنسی کے معائنہ کاروں کو مکمل آزادی سے کام کرنے کا موقع دے دیا جائے تب بھی مشکل ہی ہے کہ وہ اس نیٹ ورک کی جانب سے فراہم کردہ تعاون کی پوری تاریخ اور اس کی آخری حد جاننے کے لیے کافی معلومات جمع کر سکیں۔

روس کا کردار

ایران - روس جوہری تعاون کی تاریخ اور موجودہ تعلقات دونوں پیچیدہ ہیں۔ اس بارے میں روسی سوچ کا خلاصہ روسی وزارت خارجہ کے ایک اہلکار وکٹر میزین نے یوں بیان کیا ہے کہ اس حوالے سے روس کے اعلیٰ سیاسی حلقوں میں تین گروپ پائے جاتے ہیں۔ ایک جوہری پھیلاؤ پر پابندیوں کا امریکا ہی کی طرح پر جوش حامی ہے۔ دوسرے گروپ کو غیر جانبدار کہا جا سکتا ہے جبکہ تیسرا

گروپ جوہری صلاحیت کی برآمد یا جوہری پھیلاؤ پر پابندی کا مخالف ہے۔ان کا کہنا ہے کہ امریکا یہ پابندیاں روس کی اسلحہ کی برآمد کو محدود کرنے کے لیے عائد کر رہا ہے۔ جوہری پھیلاؤ کے بارے میں امریکا اور روس کے اندیشوں کی نوعیت میں بھی فرق ہے۔روس میں اگرچہ کچھ لوگ جوہری پھیلاؤ کے خطرناک ہونے کے حوالے سے زبانی جمع خرچ کرتے رہتے ہیں مگر دیکھا جائے تو شمالی کوریا، لیبیا اور عراق سمیت جن ملکوں کو ''بدمعاش ریاستوں'' کا نام دیا گیا، وہ سب ماضی میں روس کی گاہک رہی ہیں (ماسکو سرکاری طور پر بدمعاش ریاستوں کی اصطلاح کو مسترد کرتا ہے)۔امریکا کے برعکس کسی بین البراعظمی میزائل کی تنصیب روس کی بیرون ملک افواج کے لیے خطرہ نہیں ہے۔روس کی فوجی صنعت کی باقیات کے لیے ایران بہت ہی اہم مارکیٹ ہے۔ بوشہر ری ایکٹر کی تعمیر کے لیے سمجھوتہ اس کی ایک مثال ہے۔ایران نے جنوری ۱۹۹۵ء میں ایک ہزار میگاواٹ کے بوشہر ری ایکٹر کی تعمیر کا ٹھیکہ روس کو دینے کے لیے ۸۰۰ ملین ڈالر کے معاہدے پر دستخط کیے۔اسے ۲۰۰۵ء میں مکمل ہونا تھا مگر ۲۰۰۲ء میں ناتنز میں یورینیم کی افزودگی کے انکشاف نے ایران کے جوہری پروگرام کی جانچ پڑتال کے عمل کو تیز کردیا۔روسی صدر پیوٹن نے امریکا اور یورپی یونین کو یقین دہانی کرائی کہ اگر ایران نے عالمی توانائی ایجنسی کی شرائط کی پابندی نہ کی تو روس اسے یہ ری ایکٹر فراہم نہیں کرے گا۔تاہم جون ۲۰۰۵ء میں صدر پیوٹن نے اعلان کیا کہ روس ایران کے نئے صدر احمدی نژاد کے ساتھ جوہری تعاون جاری رکھے گا۔یہی نہیں بلکہ روسی اٹامک انرجی کمیشن کے سربراہ نے انکشاف کیا کہ تہران چھ مزید ری ایکٹر تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور روس اس معاملے میں اس کی مدد کا خواہشمند ہے۔اس کے بعد روسی انجینئروں نے بوشہر ری ایکٹر کی تعمیر اور ایران نے سلامتی کونسل کی ہدایات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یورینیم کی افزودگی جاری رکھی۔مگر اس کے ساتھ ساتھ روسی حکام یہ بھی کہتے رہے کہ وہ ایران کو جوہری صلاحیت حاصل کرنے سے ہر قیمت پر روکیں گے کیونکہ روس سے صرف ۱۶۵ کلومیٹر کے فاصلے پر نیوکلیئر ایران کی موجودگی خود روس کے مفاد میں نہیں ہے۔بوشہر ری ایکٹر کے ساتھ ساتھ مارچ ۲۰۰۶ء میں روس نے ایران کو یورینیم کی افزودگی سے روکنے کی خاطر صنعتی ضروریات کے لیے اسے

یورینیم فراہم کرنے کی پیش کش کی جس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ تحقیقی مقاصد کے لیے ایران چھوٹے پیمانے پر یورینیم خود بھی افزودہ کر سکے گا۔ تاہم امریکا اور یورپی یونین نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ایران اس صلاحیت کو وقت آنے پر صنعتی پیمانے پر یورینیم کی تیاری کے لیے بآسانی استعمال کر سکے گا۔ اس تفصیل سے ایران کے جوہری پروگرام کے ضمن میں روسی رویے کا الجھاؤ واضح ہے۔

شمالی کوریا کا کردار

ایران کو میزائل ٹیکنالوجی فراہم کرنے میں کوریا نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ جولائی ۲۰۰۵ء میں رائٹر کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا کہ جوہری توانائی کے شعبے میں دونوں ملکوں کے درمیان ۱۹۹۰ء کی دہائی کے اواخر میں تعاون شروع ہوا جس میں پچھلے چند ماہ کے دوران بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ تاہم اس رپورٹ کی صحت کے بارے میں ماہرین کے درمیان خاصے اختلافات رہے۔ اس کے بعد یہ اطلاعات بھی سامنے آئیں کہ مغربی انٹیلیجنس ایجنسیاں کوریا کی جانب سے ایران کو پلوٹونیم کی ممکنہ فروخت کے بارے میں فکر مند ہیں کیونکہ اس طرح ایران کا جوہری پروگرام تیزی سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ اس اندیشے کی بنیاد عالمی توانائی ایجنسی کی جانب سے ایران کو ۷ء اٹن معمولی افزودہ یورینیم ہکسا فلورائڈ کی فراہمی کا دریافت کیا جانا تھا۔ اخباری رپورٹوں میں دعوے کیے گئے کہ ایران شمالی کوریا کو تیل اور گیس فراہم کر کے پلوٹونیم حاصل کرنے کے لیے بات چیت کر رہا ہے۔ تاہم یہ رپورٹیں درست نہیں تھیں کیونکہ کوریا کے پاس اپنی ضرورت سے زائد پلوٹونیم موجود ہی نہیں تھا۔ ان ہی دنوں یہ رپورٹیں بھی شائع ہوئیں کہ شمالی کوریا ایرانی جوہری تنصیبات کی حفاظت کے لیے زیر زمین بنکرز تعمیر کر رہا ہے۔ ایران کے میزائلوں کی تیاری میں شمالی کوریا کا حصہ بہت نمایاں ہے۔ ایران کے شہاب میزائلوں کے ڈیزائن شمالی کوریا کے مطابق ہیں۔ ان میزائلوں کی رینج تین سے چھ ہزار کلومیٹر تک پہنچائی جا چکی ہے یعنی اب ان کی پہنچ مشرق وسطیٰ سے باہر تک ممکن ہے۔ یہ اطلاعات بھی سامنے آئی

ہیں کہ ایران نے ٹیکنالوجی اور تیار میزائلوں کے عوض شمالی کوریا کے میزائل پروگرام کے لیے مالی تعاون فراہم کیا ہے۔

چین کا کردار

چین ۱۹۸۰ء کی دہائی میں ایران کو نیوکلیئر تحقیق سے متعلق ٹکنالوجی کا سب سے بڑا سپلائر رہا ہے۔ اس میں چھوٹی ای ایم ایس مشین اور تیس کلوواٹ کا تھرمل ریسرچ ری ایکٹر بھی شامل تھا۔ امریکا کا دعویٰ رہا ہے کہ چین نے یورینیم مائننگ، فیول فیبری کیشن، یورینیم پیوریفکیشن اور زرکونیم ٹیوب کی تیاری میں ایران کی مدد کی ہے۔ امریکا بہرصورت یہ نہیں مانتا کہ بیجنگ نے تہران کو جوہری ہتھیار کا ڈیزائن فراہم نہیں کیا۔ ایران کے ساتھ چین کے اس تعاون کا انکشاف ۱۹۹۰ء کی دہائی کے اوائل میں ہوا۔ اس میں ایران کے جوہری سائنسدانوں کی تربیت کے علاوہ ایران کو دو چھوٹے ری ایکٹروں اور ہتھیاروں کے قابل یورینیم کی تیاری کے لیے ان آلات کی فراہمی شامل تھی جو الیکٹرومیگنٹک آئسوٹوپس سپریشن کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ۱۹۹۷ء میں بیجنگ ایران کے ساتھ جوہری تعاون ختم کرنے پر رضامند ہوگیا۔ اس میں وہ یورینیم کنورژن پروجیکٹ بھی شامل تھا جس کی فراہمی کی صورت میں امریکا کو اندیشہ تھا کہ ایران جوہری ہتھیار کے قابل پلوٹونیم بنانے کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرلے گا۔ ۱۹۹۸ء میں چین نے ایران کو درآمدات پر نئی پابندیاں لگائیں اور ۲۰۰۱ء میں امریکا نے اس اطمینان کا اظہار کیا کہ چین ۱۹۹۷ء کی یقین دہانیوں کو پورا کر رہا ہے۔ تاہم چینی کمپنیوں پر امریکا ایران سے جوہری تعاون کا الزام عائد کرتا رہا۔ دسمبر ۲۰۰۵ء میں امریکا نے چھ چینی، ایک آسٹریلوی اور دو بھارتی کمپنیوں پر اس حوالے سے پابندیاں لگائیں۔ تاہم چینی حکومت نے اپنی کمپنیوں پر امریکی الزام کو مسترد کرتے ہوئے اس پر احتجاج کیا۔ ستمبر ۲۰۰۵ء میں ایرانی اپوزیشن گروپ قومی مزاحمتی کونسل نے دعویٰ کیا کہ ایرانی حکومت نے دبئی کے راستے چین سے سینٹری فیوج اسمگل کیے ہیں اور پہلے مرحلے میں پانچ ہزار مشینیں تیار کی جانی ہیں۔ مگر ان الزامات کی تصدیق

نہیں ہوئی۔ اتنی بڑی تعداد میں سینٹری فیوج بنانے کی ایرانی صلاحیت پر ماہرین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ممکنہ اقتصادی پابندیاں

فوجی اقدام سے بچنے کے لیے سیاسی کوششیں ناکام ہوجائیں تو عموماً اقتصادی پابندیاں لگائی جاتی ہیں۔ تاہم وقت کے ساتھ ساتھ اس میں کامیابی کا تناسب کم ہوتا جارہا ہے۔ اس لیے بہت سے ماہرین انہیں فوجی اقدام سے پہلے کا مرحلہ قرار دیتے ہیں۔ پابندیوں کی ناکامی کے اسباب میں اسمگلنگ اور خفیہ سودے بازیاں شامل ہیں۔ اس طرح پابندیوں سے مقتدر طبقے نہیں صرف عام لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ عالمی معیشت کے اس دور میں پابند کی جانے والی ریاستیں متبادل راستے ڈھونڈ لیتی ہیں کیونکہ چند ریاستیں پابندیوں پر عمل کرتی ہیں تو بہت سے ممالک اور کمپنیاں متعلقہ ملک سے خفیہ تجارت کر کے فوائد حاصل کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ پابندیوں کی سیاسی نوعیت بھی ان کی خلاف ورزی کا جواز مہیا کرتی ہے۔ تاہم بعض اوقات اقتصادی پابندیاں دیگر اقدامات کے ساتھ مل کر نتیجہ خیز بھی ثابت ہوتی ہیں۔ اس کی ایک مثال جنوبی افریقا سے نسلی امتیاز کا خاتمہ ہے۔ لیکن ایران کے معاملے میں پابندیوں کا مؤثر ہونا اس لیے مشکل ہے کیونکہ روس اور چین اس کے تجارتی پارٹنر ہیں۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں بھی اس معاملے میں ان کی جانب سے مزاحمت کی جاتی ہے۔ فرانس اور برطانیہ بھی اس بارے میں ملا جلا رویہ رکھتے ہیں۔ اس طرح سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ارکان میں امریکا اکیلا رہ جاتا ہے۔ پابندیوں کے حوالے سے یورپ میں یہ سوچ پائی جاتی ہے کہ ان سے ساری تکلیف عام لوگوں کو پہنچتی ہے جبکہ حکمراں طبقے اور خواص کا کچھ نہیں بگڑتا۔ یورپی اقوام کی اس ہچکچاہٹ کے ساتھ ساتھ ایران تجارت اور تیل کے ہتھیاروں کو بھی اپنے حق میں یعنی پابندیوں کو روکنے اور غیر مؤثر بنانے کے لیے استعمال کررہا ہے۔ چنانچہ ایرانی حکام کہہ چکے ہیں کہ پابندیوں کا نقصان ایران سے زیادہ امریکا اور یورپ کو ہوگا۔ یہ بات جزوی طور پر درست ہے مگر اس کا دارومدار پابندوں کی نوعیت پر بھی ہے۔ سلامتی کونسل کے پاس ایرانی حکومت پر دباؤ ڈالنے کے مختلف طریقے ہیں۔ ان

میں سے ہر ایک کے نفاذ کا طریقہ کار بھی الگ الگ ہے۔ تاہم ان میں سے کوئی بھی نتائج وعواقب کے ذریعے خالی نہیں۔

مؤثر اقتصادی پابندیوں کی نوعیت

ایران کے خلاف اقتصادی پابندیوں کا ہدف اسے جوہری طاقت بننے سے روکنا ہے۔ اگر اس کے بجائے ایران میں حکومت کی تبدیلی یا اپنے حامی گروپوں کے لیے اس کی حمایت روکنے کو ہدف بنایا جائے تو بین الاقوامی برادری میں اختلاف پیدا ہوسکتا ہے۔ اگر پابندیوں سے ایرانی عوام کی معاشی حالت متاثر ہوئی تو یہ پابندیاں اپنے مقصد میں ناکام ہوسکتی ہیں۔ اس سلسلے میں عراق کا تجربہ پیش نظر رہنا چاہیے۔ ۱۹۹۰ء میں کویت پر حملے کے بعد عراق کے خلاف پابندیوں کا مقصد صدام حسین کو مہلک ہتھیاروں کی تیاری سے روکنا تھا مگر ان پابندیوں سے زیادہ تر عراقی عوام متاثر ہوئے۔ مزید یہ کہ پابندیوں کے باوجود ایران جوہری صلاحیت اسی طرح حاصل کرسکتا ہے جیسے بھارت اور پاکستان کر چکے ہیں کیونکہ کوئی قوم جب یہ سمجھے کہ پابندیوں سے ہونے والا نقصان اس کی قومی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے جوہری صلاحیت کے حصول سے زیادہ اہم نہیں تو اسے پابندیوں سے روکا نہیں جاسکتا۔

پابندیوں کے نفاذ میں مشکلات

ایران کی معیشت آزاد کم اور حکومت کے کنٹرول میں زیادہ ہے۔ ایران پر پابندیوں کے نفاذ میں یہ ایک کلیدی مشکل ہے۔ اس کی وجہ سے پابندیوں کی صورت میں حکومت نجی شعبے کے دباؤ سے آزاد رہے گی۔ ایران کو تیل کی برآمد سے ہونے والی آمدنی اگر چہ اس کے لیے اہم ہوسکتی ہے مگر باقی کل تجارت ایران کی مجموعی قومی پیداوار کا بہت چھوٹا سا حصہ ہے۔ مزید یہ کہ ایران کے روس، چین، برطانیہ، فرانس اور جاپان سمیت کے دنیا کے بیشتر ملکوں سے تجارتی تعلقات ہیں۔ ایران کا تیل بہت سے ملکوں کی ضرورت ہے۔ ایران کی درآمدات بھی بڑھ رہی ہیں۔ امریکا کے سوا اقوام متحدہ کی سلامتی

کونسل کے تمام مستقل ارکان کے ایران سے مضبوط تجارتی تعلقات ہیں۔ ۲۰۰۰ء سے ۲۰۰۴ء کے دوران چین، برطانیہ، فرانس اور روس سے ایران کی درآمد اور برآمد تقریباً دگنی ہوگئی ہے۔ ایران پر اقتصادی پابندیاں عائد کیے جانے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ ممالک ایران سے تجارت بند کردیں۔ اگر یہ ملک ایران کو اپنا مال بھیجنا بند کردیں تو وہ اپنے مال کی ایک بڑی منڈی سے محروم ہوجائیں گے۔ اور اگر ایران کے تیل کی برآمد پر پابندی لگائی جائے تو ان کے لیے شدید مشکلات پیدا ہوجائیں گی۔ مثلاً چین ایران سے روزانہ اوسطاً ۳۰ء ایم ایم بیرل تیل حاصل کرتا ہے۔ مستقبل میں ایران کے تیل اور گیس کی چین کو مزید ضرورت ہوگی کیونکہ چین کی توانائی کی ضروریات میں ۴ فی صد سالانہ اضافہ ہورہا ہے۔ روس اور سلامتی کونسل کے دوسرے ارکان کی بھی کم وبیش یہی صورت ہے۔ روس بوشہری ایکٹر کی تعمیر کے ٹھیکے سے محروم ہوجائے تو روسی معیشت کو بھاری نقصان پہنچے گا۔ دوسری یورپی طاقتیں ایران کے توانائی کے شعبے میں بھاری سرمایہ کاری کرچکی ہیں۔ اس لیے ایران پر پابندیاں لگانے والے ملکوں کو دو بنیادی باتیں سمجھ لینی ہوں گی۔ ایک تو یہ کہ ایران، ان ملکوں کی قومی سلامتی اور عالمی امن کے لیے خطرہ ہے، اور دوسرے یہ کہ مہلک ہتھیاروں کے حصول سے روکنے کے لیے ایران پر عائد کی جانے والی پابندیاں ان ممالک کے اہم معاشی مفادات کو متاثر کریں گی۔ معاشی تقاضے اکثر طویل المیعاد اسٹرے ٹیجک مفادات پر غالب آجاتے ہیں۔ مثلاً سعودی عرب اور مصر ایران پر پابندیوں کے حامی نہیں ہیں کیونکہ پچھلے چار سال میں مشرق وسطیٰ کے ملکوں سے ایران کی تجارت کا حجم دگنا ہوگیا ہے۔ یہ صورت حال ایران پر پابندیوں کی حمایت میں رکاوٹ ہے۔ علاقائی طاقتیں اگرچہ جوہری پھیلاؤ پر فکر مند ہیں مگر ان کا موقف ہے کہ امریکا اور اقوام متحدہ کو اس حوالے سے پورے خطے میں ایک ہی معیار اپنانا چاہیے۔ وہ مہلک ہتھیاروں سے پاک مشرق وسطیٰ کے قیام پر زور دیتے ہیں جس میں ان کے مطابق اسرائیل، پاکستان اور بھارت کو بھی شامل کیا جانا چاہیے۔ اس رویے کا سبب ایک تو اسرائیل پر دباؤ بڑھانا ہے اور دوسرے مشرق وسطیٰ کی دوسری ریاستوں کو اس دوڑ میں شامل ہونے سے روکنا ہے۔ بہرحال اقتصادی پابندیاں اسی وقت مؤثر ہوسکتی ہیں جب عالمی سطح پر ان کا نفاذ ہو۔ امریکا نے

ایک طویل مدت سے ایران پر پابندیاں لگا رکھی ہیں مگر وہ غیر مؤثر رہی ہیں کیونکہ تہران نے یورپی یونین، ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں سے مضبوط تجارتی روابط استوار رکھے ہیں۔

ایران کے خلاف امریکی پابندیوں کی نوعیت

امریکا نے ایران پر انقلاب کے بعد امریکیوں کے یرغمال بنائے جانے کے وقت یعنی چار نومبر ۱۹۷۹ء سے پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ ان میں کئی بار توسیع کی گئی اور زیادہ سختی لائی گئی ہے۔ امریکی کمپنیوں کو ایران میں سرمایہ کاری سے روک دیا گیا ہے۔ مگر ایران نے متبادل راستے ڈھونڈ کر ان پابندیوں کو غیر مؤثر بنا دیا ہے۔ مثلاً توانائی کے شعبے میں امریکی کمپنیوں نے سرمایہ کاری نہیں کی تاہم امریکی پابندیوں کو غیر مؤثر بناتے ہوئے ایران نے بہت سی کثیر القومی کمپنیوں کا تعاون حاصل کر کے تیل اور گیس کی صنعت کے لیے تیس بلین ڈالر کی براہ راست بیرونی سرمایہ کاری مہیا کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس پر کئی کمپنیوں کے خلاف امریکا نے تحقیقات بھی کرائیں لیکن کسی امریکی یا غیر امریکی کمپنی کو اس پابندی کے خلاف ورزی پر سزا نہیں دی جا سکی۔ ۱۹۹۶ء میں یورپی یونین نے ان کمپنیوں کے خلاف جرمانے وغیرہ کی مخالفت کی اور ایک قرارداد کے ذریعے یورپی کمپنیوں کو ایران کے خلاف امریکا کی عائد کردہ پابندیوں پر عمل نہ کرنے کی ہدایت کی۔ ماہرین کے نزدیک ایران کے خلاف امریکی پابندیوں کی بھاری قیمت ادا کرنے کے باوجود کامیابی غیر یقینی ہے۔ امریکا نے یہ پابندیاں بنیادی طور پر ایران کو مختلف النوع مہلک ہتھیاروں کی تیاری اور خطے میں اسرائیل کے لیے خطرہ بننے والے اپنے حامی گروپوں کی مدد سے روکنے کے لیے لگائی تھیں۔ تاہم ربع صدی گزر جانے کے باوجود ان میں سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوسکا۔ اس کی ایک وجہ پابندیوں کے نفاذ کے بامعنی نظام کی عدم موجودگی اور دوسری وجہ ان پابندیوں کا عالمگیر نہ ہونا ہے۔[۲] (اس سے بھی بڑی وجہ یہ ہے کہ امریکہ ایران کی جن سرگرمیوں پر اسے ''سزا'' دینے کے لئے انتہائی اقدام کے بارے میں سوچتا ہے، اپنی سرگرمیوں کی اسرائیل کو نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ پوری پوری معاونت کرتا ہے اور جواز صرف یہ

ہے کہ چونکہ وہ طاقتور ہے لہذا اسکے فیصلوں پر تنقید حرام!) امریکی پابندیوں کے نتیجے میں ہوسکتا ہے ایران کو روایتی امریکی ہتھیاروں کے فاضل پرزوں کی فراہمی بند ہوگئی ہو مگر ان سے اسے اپنے میزائل اور جوہری پروگرام کو آگے بڑھانے، اپنے حامی گروپوں کی مدد کرنے اور بیرونی سرمایہ کاری کے حصول سے نہیں روکا جاسکا۔ تیل کی عالمی طلب بڑھنے کی وجہ سے مستقبل میں ایران کے لیے ان حوالوں سے بہتر مواقع ہیں اور امریکی پابندیاں اس پر کچھ زیادہ اثر انداز نہیں ہوسکتیں۔ تاہم امریکی پابندیوں نے ایرانی معیشت کو کچھ نہ کچھ متاثر ضرور کیا ہے۔ ایران کی تیل اور گیس کی صنعت میں براہ راست امریکی سرمایہ کاری نہیں ہوئی اور مجموعی طور پر اس شعبے کی ترقی کی رفتار سست رہی۔ مگر بعض دوسرے پہلوؤں سے ایرانی معیشت کو زیادہ سنگین مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ایرانی معیشت پر حکومت کا کنٹرول نجی شعبے کے فعال ہونے اور اس طرح متوسط طبقے کے حالات کے بہتر ہونے میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ ایران میں حکومت ہی سب سے بڑی سرمایہ کار بھی ہے، آجر بھی ہے اور صارف بھی۔ ایران کے بیرونی سرمایہ کاری کے قوانین فرسودہ اور سرمایہ کی آمد میں رکاوٹ ہیں۔ ایران کا بنکاری نظام بھی فعال و متحرک نہیں اور ایران کی بین الاقوامی اور داخلی سرمایہ کاری کی ضروریات پوری نہیں کرتا۔ نتیجہ یہ کہ ایرانی معیشت کا بیشتر انحصار تیل کی برآمد ہی پر ہے۔ ۲۰۰۵ء میں ایران کی کل برآمدی آمدنی میں تیل کا حصہ ۸۰ سے ۹۰ فی صد اور قومی بجٹ میں ۴۰ سے ۵۰ فی صد تھا۔

تیل پر پابندی کے مسائل

ایران پر پابندیاں تب ہی مؤثر ہوسکتی ہیں جب ان کا ہدف اس کی سب سے اہم برآمد یعنی تیل اور گیس کو بنایا جائے۔ مگر اس کا نتیجہ تیل کے عالمی بحران کی شکل میں برآمد ہوگا۔ ایران پر عائد امریکی پابندیوں کے سبب ایران میں تیل اور گیس کے شعبے میں پہلے ہی انحطاط جاری ہے۔ ذخائر کے لحاظ سے سعودی عرب کے بعد دنیا میں دوسرے نمبر پر ہونے کے باوجود اس کی تیل کی پیداوار میں ۱۹۷۴ء کے مقابلے میں ۲۰۰۵ تک ایک تہائی کے قریب کمی واقع ہوچکی تھی۔ اس کے باوجود ایران کا

تیل عالمی منڈی میں قیمتوں کو قابل برداشت سطح پر رکھنے کا سبب ہے۔ اس وقت تیل کی عالمی طلب اور رسد تقریباً برابر ہے۔ یو ایس انرجی انفارمیشن ایڈمنسٹریشن کے مطابق ۲۰۰۵ء میں دنیا نے اوسطاً یومیہ 83.10 ایم ایم بیرل تیل صرف کیا جبکہ اس کی یومیہ رسد 83.97 ایم ایم بیرل رہی۔ اس لیے ایرانی تیل کی برآمد پر پابندی سے عالمی منڈی میں تیل کا شدید بحران لازمی ہے۔ یہ کہنا کہ امریکا ایران سے تیل نہیں خریدتا اس لیے ایرانی تیل کی برآمد پر پابندی سے متاثر نہیں ہوگا درست نہیں ہے۔ امریکا کی تیل اپنی ضروریات کا بہت بڑا حصہ ایشیا سے درآمد کرتا ہے۔ اس لیے تائیوان، جنوبی کوریا، جاپان اور چین کو ایرانی تیل کی برآمد روکنے کے نتیجے میں امریکا اور عالمی معیشت پر شدید منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ ایرانی تیل پر پابندی سے قیمتوں میں جو اضافہ ہوگا اس سے امریکا سمیت دنیا میں ہر ایک متاثر ہوگا۔ ایران پر پابندی سے تیل کی عالمی رسد میں جو کمی واقع ہوگی، سعودی عرب کے سوا کوئی بھی ملک اسے پورا کرنے کے لیے فاضل رسد مہیا نہیں کر سکتا۔ مگر اس کی یہ صلاحیت 1.5 ایم ایم بیرل یومیہ سے زیادہ نہیں۔ ۲۰۰۹ء تک اسے 2.5 ایم ایم بیرل یومیہ تک پہنچانے کے منصوبے ہیں۔ مگر ایران کے تیل پر پابندی سے 4.0 ایم ایم بیرل یومیہ کی کمی واقع ہوگی جسے سعودی تیل سے کسی صورت پورا نہیں کیا جا سکتا۔ امریکا اور دیگر ملکوں کے کروڑ ریزروز سے بھی عالمی ضروریات کی تکمیل عملاً محال ہے۔ اگر کسی طرح یہ اہتمام کر بھی لیا جائے تو یہ ذخائر دو سال سے زیادہ نہیں چل سکتے۔ سوال یہ ہے کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ تحقیقی مطالعوں سے پتہ چلتا ہے کہ ایران اگر اپنی تیل کی پیداوار میں تھوڑی سی بھی کمی کر دے تو عالمی منڈی میں طلب اور رسد کے تقریباً برابر ہونے کی وجہ سے تیل کی قیمت سو ڈالر فی بیرل تک پہنچ جائے گی۔ یہ کیفیت اگر کچھ ہی دن کے لیے بھی واقع ہو جائے تو اس کے نفسیاتی اثرات عالمی منڈی میں زبردست افراتفری کی شکل میں ظاہر ہوں گے اور قیمتوں میں مزید اضافے کا سبب بنیں گے۔ ایک اسرائیلی ماہر الف بین کا کہنا ہے کہ ایران کے تیل پر مکمل پابندی عائد کرنا ہی واحد مؤثر طریقہ ہے۔ ۳ (اسرائیل کی طرف سے یہ نقطۂ نظر قابل فہم ہے کہ ایران اور اسرائیل میں دشمنی کی بنیاد کی بینا د موجود ہے۔ (کون حق بجانب ہے اور کون نہیں۔ یہ الگ بحث ہے) مگر پوری دنیا کو کیسے قائل

کرنا ممکن ہوگا کہ وہ اسرائیل کی توسیع پسندانہ رجحان اور امریکہ کیعالمی ذرائع توانائی پر بلاشرکت غیر ے قابض ہونے کی خواہش میں حائل ہونے والے ملک (ایران) کوصفحہ ہستی سے مٹانے کی حمایت اپنی اپنی معیشت کے نقصانات کی قیمت پر کرے۔) کیونکہ کسی ملک کا انحصار ایران کے تیل پر نہیں جبکہ ایران کے لیے آمدنی کا بنیادی ذریعہ تیل کی برآمد ہے اس کے علاوہ گیسولین اور دوسری ریفائنڈ پروڈکٹس بھی وہ تیل کے بدلے ہی حاصل کرسکتا ہے جن کی تیاری ایران میں نہیں ہوتی۔تاہم در حقیقت پابندی لگانا ایک بات ہے اور اس پر عمل کرانا دوسری بات۔ پابندیوں سے جوہری صلاحیت کے حصول کے ایرانی عزم کا ختم ہوجانا غیر یقینی ہے جبکہ ایران تیل اسمگل کر کے اپنے جوہری پروگرام کو جاری رکھ سکتا ہے اور پابندیوں سے عوام کو پیش آنے والی مشکلات کا الزام دنیا پر عائد کرسکتا ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے لیے تو ایران کے تیل کی برآمد پر پابندی لگانا مشکل ہے مگر ایران پر دوسری نوعیت کی پابندیاں لگائی گئیں تو ان کے جواب میں وہ خود اپنے تیل کی برآمد پر پابندی عائد کرسکتا ہے یا اس کی فراہمی میں کمی کرسکتا ہے۔ایرانی حکام کہہ چکے ہیں کہ انہیں مغرب کی ضرورت نہیں بلکہ مغرب کو ان کے تیل کی ضرورت ہے۔ایرانی پارلیمنٹ اور قومی سلامتی اور خارجہ پالیسی کمیٹی کے رکن محمد نبی رُداکی کے بقول ''تیل ایران اور خلیج فارس کی ریاستوں سے یورپ، امریکا اور مشرقی ایشیا کو آبنائے ہرمز اور خلیج کے راستے برآمد کیا جاتا ہے۔ایران کے خلاف پابندیوں کی صورت میں اس خطے سے تیل کا ایک قطرہ بھی برآمد نہیں کیا جاسکے گا۔''

ریفائنڈ پروڈکٹس کی درآمد پر پابندیاں

ایران کی روایتی معیشت پر پابندیاں کسانوں اور چھوٹے تاجروں کو متاثر کریں گی جبکہ ایرانی حکومت پر ان کا کوئی خاص اثر نہیں ہوگا۔تاہم صنعتی شعبے پر پابندیوں کے اثرات مرتب ہوں گے کیونکہ ایران کی مجموعی قومی پیداوار میں زراعت کا حصہ 11.8 فی صد جبکہ صنعت کا حصہ 43.3 اور خدمات کا حصہ 44.9 فی صد ہے۔ایران کی بھاری صنعتیں جن کا انحصار ریفائنڈ پروڈکٹس کی درآمد پر

ہے، اقتصادی پابندیوں سے متاثر ہوں گی۔ ایران عراق جنگ اور بیرونی سرمایہ کاری میں کمی کی وجہ سے ایران کی ریفائنریاں تباہ ہو چکی ہیں اور وہ گیسولین وغیرہ کی بیشتر ضروریات درآمد سے پوری کرتا ہے۔ اس مقدار میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اپنی صنعتی ضروریات کے لیے ایران 60 فی صد یورپ سے، 15 فی صد بھارت سے اور باقی مشرق وسطیٰ اور ایشیا کے دوسرے ملکوں سے درآمد کرتا ہے۔ مستقبل قریب میں اس رجحان میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لیے ریفائنڈ پروڈکٹس کی ایران کو درآمد پر پابندی کے اثرات کا یقینی ہے مگر پابندیوں سے مطلوب مقاصد کا حاصل ہونا پھر بھی یقینی نہیں۔ ایران درآمدات کے لیے غیر سرکاری تجارت اور اسمگلنگ کا راستہ اختیار کر سکتا ہے۔ تیل کے وسیع ذخائر کو ریفائنری کی گنجائش بڑھانے کے منصوبوں کی رفتار بڑھانے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ بیرونی کمپنیوں کو ان کے ٹھیکوں کی پیش کش کر کے سلامتی کونسل کی قرارداد پر عمل کو مزید پیچیدہ بنا سکتا ہے کیونکہ یہ پیشکشیں چین، روس، فرانس، جرمنی اور برطانیہ کی فرموں کو بھی کی جا سکتی ہیں۔

سفری پابندیاں

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ پہلے مرحلے میں ایرانی حکام کو براہ راست ہدف بناتے ہوئے ان کے بیرون ملک سفر پر پابندی لگائی جانی چاہیے۔ اس میں صدر محمود احمدی نژاد سمیت ایران کے تمام اعلیٰ عہدیدار اور علماء شامل کیے جانے چاہئیں۔ ان پابندیوں سے عام لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا مگر ان کا دائرہ اثر بہت محدود رہے گا۔ یورپی ملکوں اور امریکا کے باہر ان پر عمل کرانا مشکل ہوگا۔ ایرانیوں کو امریکا اور یورپ میں ہونے والے اقوام متحدہ کے اجلاسوں سے روکا گیا تو مزید مسائل پیدا ہوں گے۔ مشرق وسطیٰ اور ایشیا کے ملکوں کے لیے ان پابندوں سے مطابقت پیدا کرنا مشکل ہوگا۔ مزید یہ کہ ایرانی جوہری ہتھیاروں کی تیاری کی سمت میں ایران کی پیش رفت کا اس سے کوئی تعلق نہیں کہ صدر احمدی نژاد پیرس جا سکتے ہیں یا نہیں۔ ایرانی حکمرانوں کے سفر پر پابندی سے ایرانی قیادت اور عوام کو اپنے عزم کی تکمیل سے باز رکھنے میں کامیابی کا کوئی امکان دکھائی نہیں دیتا۔ زمباوے کے معاملے

میں ایسے تمام تجربات ناکام ہو چکے ہیں۔

مالیاتی پابندیاں

بیک وقت سفری اور مالیاتی پابندیاں زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتی ہیں اور سلامتی کونسل کے ارکان کی جانب سے بھی دیگر صورتوں کے مقابلے میں ان پابندیوں کی سب سے کم مزاحمت کی جائے گی۔ مغربی بینکوں میں ایران کے مالی اثاثوں کا تعلق یا تو حکومت سے ہے یا حکمران طبقے کے افراد سے - اس لیے اس سفری اور مالیاتی پابندی سے براہ راست حکمران ہی متاثر ہوں گے اور عام لوگوں پر بہت کم اثر پڑے گا۔ امریکا نے ایران پر انقلاب کے بعد جب امریکی سرمایہ بازار کے دروازے بند کیے گئے تو یورپی اور ایشیائی بینکوں کی صورت میں ایران نے متبادل ذرائع تلاش کر لیے۔ کئی یورپی بینک اب بھی ایران کو صنعتی سرمایہ کاری کے لیے قرضے فراہم کر رہے ہیں۔ مالیاتی پابندی کی صورت میں اگر یہ بینک ایران سے تعاون ختم کر دیں تو ایرانی معیشت کو بڑا دھچکا پہنچے گا۔ ایران کے مالی اثاثے امریکا میں تو انقلاب کے بعد ہی سے منجمد کیے جا چکے ہیں مگر یورپی مالیاتی اداروں میں ایک اندازے کے مطابق 2005ء میں ایران کے 36 بلین ڈالر موجود تھے۔ عالمی توانائی ایجنسی نے ایران کا معاملہ سلامتی کونسل کو بھیجا تو جنوری 2006ء میں ایران کے مرکزی بینک نے یورپی بینکوں سے ایرانی اثاثے منتقل کرنے کا اعلان کر دیا۔ گمان ہے کہ یہ اثاثے مشرقی ایشیائی ملکوں میں منتقل کیے گئے ہیں۔ یہ اطلاعات بھی ہیں کہ ایرانی حکمرانوں نے اپنے اثاثے یورپ سے دبئی، ہانگ کانگ، ملائشیا، بیروت اور سنگاپور منتقل کرنا شروع کر دیے ہیں۔ اب تک منتقل ہونے والے اثاثوں کی مالیت 8 بلین ڈالر کے قریب بتائی جاتی ہے۔ مالیاتی پابندیوں کا دائرہ ایشیائی بینکوں اور غیر سرکاری مالیاتی تنظیموں مثلاً عالمی بینک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ تک وسیع کیا جا سکتا ہے۔[۴] (غیر سرکاری (عالمی) اداروں کو اپنی مرضی کے تابع بنانے اور انہیں محض امریکی اور اسرائیلی مفادات کے لیے استعمال کرنے کا رجحان ایران کی طرف سے نیوکلیائی توانائی کی تیاری کی صلاحیت حاصل کرنے کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ

خطرناک ہے۔) ان اداروں سے ایران عوامی ضروریات کے لیے قرضے لیتا ہے تاہم انہیں مؤخر کر کے ایران پر دباؤ ڈالا جاسکتا ہے۔ اس کے باوجود ایران کے پاس متبادل راستے موجود ہیں۔ وہ براہ راست بیرونی سرمایہ کاری کے لیے ترغیبات مہیا کرنے میں کامیاب ہو جائے تو مالیاتی پابندیاں اس کے لیے، خصوصاً توانائی کے شعبے میں، سرمایہ کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکیں گی۔ بہر کیف یہ تمام شکلیں فی الحال مفروضہ ہیں۔ نہ یہ واضح ہے کہ سلامتی کونسل یہ پابندیاں لگانے پر راضی ہوگی یا نہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس پر ایرانی حکومت اور شہریوں کا ردعمل کیا ہوگا۔

اسلحہ کی برآمد پر پابندی

پابندی کی ایک قسم ایران کو روایتی ہتھیاروں کی برآمد روک دینا بھی ہے کیونکہ میزائل سمیت بعض ہتھیار بنانے کے باوجود بھاری روایتی اسلحہ وہ اب بھی درآمد کرتا ہے۔ ایران چین، روس اور بعض یورپی ملکوں سے، جو مغربی یورپ سے باہر ہیں، اسلحہ حاصل کرتا ہے۔ امریکا اور مغربی یورپی ممالک ایران کو نئے ہتھیاروں کی فروخت میں سرگرم نہیں ہیں۔ روس اور چین ایران کو اسلحہ فراہم کرنے والے ملکوں میں سرفہرست ہیں۔ 1990ء کی دہائی میں چین نے ایران کو 1.3 بلین ڈالر کے ہتھیار فراہم کیے اور 800 ملین ڈالر کے مزید ہتھیار فراہم کرنے کے معاہدوں پر دستخط کیے۔ 2001ء کے بعد بھی چین ایران کو 100 ملین ڈالر کا نیا اسلحہ فراہم کر چکا ہے اور 200 ملین ڈالر کے معاہدے کر چکا ہے۔ ایران اور روس کے تعلقات بہت گہرے ہیں اور ایران نے اعلانیہ جوہری ہتھیار بنا لیے تب بھی ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ ایران کے جوہری پروگرام اور تیل و گیس کی صنعت میں تعاون کے ساتھ ساتھ روس ایران کو روایتی ہتھیاروں کا بھی سب سے بڑا فراہم کنندہ ہے۔ سویت یونین کے ٹوٹنے سے پہلے بھی ایران اور روس کے تعلقات کی یہی کیفیت تھی اور اس کے بعد بھی یہی ہے۔ اس لیے ایران کو اسلحہ کی فراہمی پر پابندی لگائی گئی تو روس اور چین کا ردعمل کیا ہوگا، اس بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی۔ پھر یہ بھی ہے کہ اسلحہ پر پابندی لگانا ایک بات ہے اور اس پر عمل کرانا دوسری

بات۔ دوسری جانب اگر چہ روایتی ہتھیاروں کی بہتری کے لیے ہتھیاروں کی درآمد ایران کی ضرورت ہے تو دوسری طرف اپنی سلامتی کے حوالے سے اسٹر یٹیجک اہداف کے حصول کے لیے وہ ہتھیاروں کی درآمد کا حاجت مند نہیں ہے۔ نتیجہ بالآخر یہی نکلتا ہے کہ امریکا اور مغربی یورپی ملکوں کی جانب سے ایران کو اسلحہ کی فراہمی تقریباً روک دیے جانے کے باوجود ایران نے متبادل ذرائع تلاش کر لیے اور اب اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ جن ملکوں سے ایران اسلحہ درآمد کر رہا ہے، وہ ایران کو اسلحہ کی فروخت روکنے پر تیار ہوں گے یا نہیں کیونکہ ان کے لیے یہ معاملہ اسٹر یٹیجک مقاصد سے زیادہ اقتصادی مفادات کا ہے۔۵ (اور اگر اسٹر یٹجک مفادات کا معاملہ ہو بھی تو روس اور چین کے اسٹر یٹجک مفادات امریکی اسٹر یٹجک مفادات سے قطعی مختلف ہوں گے کیونکہ ان میں سے کسی پر بھی اسرائیل جیسی جارح ریاست کی مادی و اخلاقی سرپرستی کی ''ذمہ داری'' عاید نہیں ہوتی۔)

پابندیوں کے غیر یقینی اثرات

اب تک کی گفتگو سے واضح ہے کہ ایران کے خلاف پابندیاں ایران پر اثر انداز ہونے سے زیادہ ان طاقتوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہیں جو انہیں عائد کرنا چاہتی ہیں۔ بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ اقتصادی پابندیاں اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام رہی ہیں۔ پابندیاں، نافذ کرنے والی طاقتوں میں ہم آہنگی نہ ہونے یا ایران کی جانب سے اسمگلنگ کا راستہ اپنانے کے علاوہ اس وجہ سے بھی ناکام ہوسکتی ہیں کہ ان کے اثرات کے باوجود وہ ایٹم بم کی تیاری کی منزل کی طرف پیش قدمی جاری رکھے جس سے اسے فوجی اقدام کے ذریعے بھی یقینی طور پر روکا نہیں جاسکتا۔ اپنے جوہری اور میزائل پروگرام کے لیے اسے شمالی کوریا جیسی ''بدمعاش'' ریاستوں سے اب بھی مدد مل سکتی ہے۔ ایران میں جس قسم کی حکومت ہے اس بات کوئی امکان نہیں کہ اس کی نوعیت کو پابندیوں سے بدلا جاسکے۔ اس کے بجائے پابندیاں اس حکومت کو جوہری پروگرام کے لیے زیادہ عوامی جوش و خروش کی شکل میں مزید مستحکم کرسکتی ہیں۔ ایران کو علاقائی سپر پاور دیکھنا پوری ایرانی قوم کا خواب ہے۔ یہ توقع

نہیں کی جاسکتی کہ سلامتی کونسل کی عائد کردہ اقتصادی پابندیاں اس عوامی سوچ کو بدل دیں گی۔٦ (کیونکہ جس طرح کی قومی حمیت امریکی عوام کو اپنے صدر کے لیے عراق میں کارروائی کے لیے زیادہ اختیارات محض اس لیے دینے پر مجبور کرتی ہے کہ امریکہ کا سر عالمی برادری میں اونچا رہے، ایسی کسی حمیت کا ایرانی عوام کے دل و دماغ میں ہونا کیوں حیرانی کا باعث ہے۔ جنگ اور محبت میں تو سب جائز ہوتا ہے۔ جب امریکہ ایران پر اقتصادی جنگ مسلط کرے گا تو اس کے پاس ایران کو آداب کا لحاظ رکھنے پر قائل کرنے کا کیا جواز ہے۔)۔ اس گفتگو سے واضح ہوتا ہے کہ پابندیاں محض مختصر مدت کے لیے ایک انتخاب ہوسکتی ہیں۔ اور اس صورت میں بھی اسی وقت کسی حد تک مؤثر ہوسکتی ہیں جبکہ ان کے مقاصد عملی ہوں اور ان کا ہدف ایران کو سودے بازی پر آمادہ کرنا ہو۔ تاہم اب تک بیان کی گئی کوئی بھی پابندی یا ان کا کوئی بھی مجموعہ اس امر کو یقینی نہیں بناتا کہ اس طرح ایران ایٹمی طاقت بننے رک جائے گا۔ ان پابندیوں کے ساتھ ساتھ فوجی طاقت کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔ امریکا ایران کی معلوم یا نئی جوہری اور میزائل تنصیبات کو فضائی حملوں کا نشانہ بنا کر ایران کے جوہری پروگرام کو مؤخر کرنے کی امید رکھ سکتا ہے۔ مگر فوجی حملوں کے لیے سلامتی کونسل کی منظوری ملنے کا امکان نہیں ہے، اس کے نتیجے میں ایران کے جوہری پروگرام کے خلاف وہ اتحاد بھی ٹوٹ سکتا ہے جس میں تین یورپی ملکوں کے علاوہ روس اور چین بھی شامل ہیں۔

فوجی کارروائی کے ممکنہ طریقے اور ان کی مشکلات

امریکا کی سرکاری پالیسی فوجی کارروائی سمیت ایران کو جوہری صلاحیت کے حصول سے روکنے کے تمام راستوں کو کھلا رکھتے ہوئے یورپی یونین کے تین ملکوں اور اقوام متحدہ کے ذریعے سفارتی سرگرمیوں پر زور دینا ہے۔ ڈک چینی اور دوسرے امریکی حکام یہ بات واضح الفاظ میں کہہ چکے ہیں کہ ایران کے جوہری پروگرام کو روکنے کے لیے فوجی کارروائی بھی کی جاسکتی ہے۔ تاہم فوجی کارروائی کا کوئی بھی طریقہ خطرات سے خالی نہیں۔ ایران کے جوہری مراکز پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کئی کلیدی جوہری ٹھکانے زیر زمین ہیں۔ عالمی توانائی ایجنسی نے ان میں سے 18 کا پتہ لگایا ہے مگر

کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد 70 سے زیادہ ہے۔ ایرانی جوہری مراکز کو نشانہ بنا کر کیا حاصل کیا جا سکتا ہے؟ اس بارے میں مختلف آراء ہیں۔ پنٹاگون کے سابق مشیر رچرڈ پرلی کے بقول امریکا بی ٹو بمبار طیاروں سے ایک ہی رات میں ایران کے جوہری پروگرام کا قلع قمع کر سکتا ہے۔ مگر سی آئی اے کے سابق اہلکار گرے برنسٹن کا کہنا ہے کہ یہ کوئی چھوٹا کام نہیں، ہمیں امکانی طور پر تیس تنصیبات کو تیس مقامات پر تباہ کرنا ہوگا۔ کم از کم پندرہ تو لازمی ہیں۔ ان کے بقول فضائی حملوں کے ذریعے یہ عمل دو دن میں مکمل کیا جا سکتا ہے۔ تاہم ایران کو بھی عراق جنگ کے تجربات سے سیکھنے کے لیے چوتھائی صدی مل چکی ہے۔ لہٰذا اس نے جوہری تنصیبات کے تحفظ کے لیے ہر ممکن بندوبست کر رکھا ہوگا۔ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ ایران نے فضائی حملوں کو انسانی بنیادوں پر مشکل بنانے کے لیے جوہری مراکز آبادیوں کے نزدیک بنائے ہیں۔ قدرتی رکاوٹوں سے کام لینے کے لیے پہاڑوں کے اندر سرنگوں وغیرہ کا انتخاب کیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تنصیبات کو تیزی سے منتقل کرنے کے انتظامات بھی موجود ہیں۔ اطلاعات کے مطابق حفاظتی انتظامات شمالی کوریا کے تعاون سے کیے گئے ہیں۔ ''سینکڑوں ملین ڈالروں'' کے خرچ سے زیر زمین ہال اور سرنگیں بنائی گئی ہیں۔ بعض کلیدی جوہری علاقے مثلاً اصفہان اور ناتنز حفاظتی بندوبست میں سرفہرست ہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ امریکا ایرانی جوہری ٹھکانوں کو نشانہ نہیں بنا سکتا۔ تاہم اس کے لیے بڑی احتیاط اور ذمہ داری سے جوہری مراکز کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی کارروائی خطرناک اور غیر ذمہ دارانہ ہوگی۔ ویسے امریکا کے لیے معلوم اہداف یا جوہری اہداف تک محدود رہنا ضروری نہیں۔ امریکا جیسی طاقت تمام ممکنہ اہداف پر حملے کر سکتی ہے مگر اس کے نتیجے میں خود امریکا کو شدید ردعمل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میزائل سازی کے مراکز سمیت امریکا ایران کے اہم فوجی ٹھکانوں کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ یہ عام طور پر آسان اہداف ہیں جبکہ ایران کو ان کی تباہی بہت مہنگی پڑے گی۔ اس کے بعد اگر ایران کے بیشتر جوہری مراکز امریکی حملوں سے بچ بھی جائیں تب بھی اسے اقوام متحدہ اور تین یورپی ملکوں کی شرائط ماننی پڑیں گی یا مزید فوجی نقصانات اٹھانے کے لیے تیار

رہنا ہوگا۔ ایسے نقصانات جنہیں اس کی محدود اور فرسودگی کی شکار افواج کے لیے برداشت کرنا مشکل ہوگا۔ اس سے بھی آگے جا کر امریکا ایران کی گیس کی بڑی تنصیبات اور اس کی تقسیم کے نظام، ریفائنریز اور بجلی کی پیداوار کے نظام کو نشانہ بنا کے ایرانی معیشت کو برباد کرسکتا ہے۔ جواباً ایران تیل کی برآمد کے تعطل کے ہتھیار سے کام لے سکتا ہے۔ مگر امریکا اس راستے کو اپنا لے تو ایران کے پاس جوہری پروگرام کو معطل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا تا کہ معیشت کو سنبھالا جاسکے۔ ۷ (آخر ایران کی جوہری صلاحیت اسقدر خطرناک کیسے ہے کہ اس کے لیے امریکہ اکیسویں صدی میں اقدام متحدہ کی موجودگی میں (اگرچہ اقوام متحدہ کی مخالفت کے باوجود امریکہ عراق میں کارروائی کر چکا ہے) اور دیر تک مسلمان ملکوں کو بے وقوف بناتے ہوئے اس حد تک جانے کو تیار ہے۔ اگر یہ ایران اسرائیل کے دفاع سے ہے تو اسرائیل کی جوہری صلاحیت سے ہمسایہ مسلم ریاستوں کے دفاع کی ذمہ داری کون لیے گا۔)

ایران کے پاس امریکی حملوں سے بچاؤ کے راستے

کروز میزائلوں، اسٹیلتھ ایئر کرافٹ اور اسٹینڈ آف پریسیشن ہتھیاروں سے لیس امریکا کی انتہائی ترقی یافتہ فضائیہ کے حملوں سے بچاؤ ایران کے لیے مشکل ہوگا۔ مثلاً ہر امریکی بی- ٹو اے اسپرٹ اسٹیلیتھ بمبار 4500 پونڈ کے آٹھ بی ایل یو 28 سٹیلائٹ گائڈڈ بنکر بسٹنگ بم لے جاسکتا ہے اور امریکی طیارے ایک ہی ہلے میں سو ایرانی ٹھکانوں کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔ مشکل اہداف کو نشانہ بنانے والے ایسے ہتھیاروں کی وسیع اقسام امریکا کے پاس موجود ہیں۔ ان کے ذریعے ایران کے بیشتر زیرزمین ٹھکانے اور انتہائی محفوظ تنصیبات بھی تباہ کی جاسکتی ہیں۔ کروز میزائل آبدوزوں اور بحری جہازوں سے بھی داغے جاسکتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں ایران کی فضائیہ کا معیار بہت پست ہے۔

امریکی حملوں کے جواب میں ایران کیا کرسکتا ہے

اس کا یہ مطلب نہیں کہ امریکا کے لیے ایران کے خلاف فوجی کارروائی آسان ہے۔ امریکی

افواج عراق میں بری طرح پھنسی ہوئی ہیں اس لیے ایران کے خلاف بھرپور کارروائی ممکن نہیں۔ اور یہ کارروائی بھی خطرات سے خالی نہیں۔ تہران جواباً امریکا کو پریشان کرنے کے لیے بہت کچھ کرسکتا ہے۔ مثلاً عراق اور افغانستان میں امریکی افوج سے برسر جنگ مزاحمت کاروں کو شہاب سوم میزائل کیمیائی، حیاتیاتی اور ریڈیائی بموں سمیت فراہم کرسکتا ہے۔ عراق میں مقتدیٰ الصدر اور القاعدہ کو مزید متحرک کرسکتا ہے۔ عراق کی شیعہ اکثریت کے ذریعے امریکی افواج کی فوری واپسی کی تحریک چلا سکتا ہے۔ امریکا کے اندر خودکش حملے شروع کرا سکتا ہے۔ علاقے میں امریکی سفارت کاروں، تجارتی مراکز اور امریکی شہریوں کو تشدد کی کارروائیوں کا نشانہ بنا سکتا ہے۔ خلیج میں موجود امریکی بحری جہازوں کو میزائلوں سے نشانہ بنا سکتا ہے۔ اسرائیل کو میزائلوں کے ذریعے کیمیائی اور حیاتیاتی وار ہیڈز کا ہدف بنا سکتا ہے۔ آبنائے ہرمز سے تیل کی ترسیل میں رکاوٹ ڈال سکتا ہے۔ تیل کی قیمت بڑھانے کے لیے ایرانی تیل کی برآمد مکمل طور پر بند کرسکتا ہے۔ امریکی حملے کی صورت میں پوری مسلم دنیا کی ہمدردیاں ایران کے ساتھ ہوں گی۔ ایران اس سے فائدہ اٹھا کر اختلافات کے باوجود القاعدہ جیسی انتہا پسند تنظیموں کو پوری دنیا میں امریکا کے خلاف متحرک کرسکتا ہے۔

امریکی فوجی کارروائی کی ممکنہ متبادل صورتیں

امریکا فوجی کارروائی کا فیصلہ کرے تو وہ انہیں محض چند کروز میزائل اور چند فضائی حملوں کے ذریعے صرف علامتی حد تک اور محض تنبیہ تک بھی محدود رکھ سکتا ہے تاکہ ایران کو اقوام متحدہ اور یورپی ملکوں کی شرائط کی پابندی کے معاملے کی سنجیدگی کا احساس دلایا جائے۔ ان حملوں میں ایران کے کم از کم ایک اہم جوہری مرکز کو نشانہ بنایا جائے گا۔ محدود کارروائی غالباً پندرہ بیس کروز میزائلوں اور فضائی حملوں سے زیادہ نہیں ہوگی۔ تاہم بڑے پیانے پر کارروائی کی گئی تو دو سو سے چھ سو تک کروز میزائل اور فضائی حملے ممکن ہیں۔ اور ان میں تین سے دس دن تک کا وقت لگ سکتا ہے۔ ان کے نتیجے میں ایران کے کم و بیش تمام جوہری مراکز نشانہ بن سکتے ہیں۔ اگر محض جوہری مراکز تک حملے محدود نہ رکھنے کا فیصلہ کیا جائے اور ایران کے روایتی فوجی ٹھکانوں اور متعلقہ شہری اہداف بھی اس میں شامل کر لیے جائیں تو

امکانی طور پر ایک ہزار سے ڈھائی ہزار تک کروز میزائل اور فضائی حملے کیے جانے ہوں گے۔ محدود امریکی حملوں کے جواب میں اگر ایران کی کارروائی سے اس کے جوہری ہتھیار کا کوئی یقینی ثبوت سامنے آ گیا تو امریکا کے لیے ایران کے خلاف بھرپور کارروائی یا اسے جوہری پروگرام رول بیک کرنے پر مجبور کرنے کے لیے بین الاقوامی حمایت کا حصول آسان ہو جائے گا۔

اسرائیلی فضائی حملے کے نتائج

اسرائیلی فوجی ماہرین میں سے بعض کا خیال ہے کہ ایران کی جانب سے اسرائیل کی تباہی کے بلند بانگ دعوے اسرائیل کے لیے کوئی سنجیدہ خطرہ نہیں۔ ان دعووں کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ان کی آڑ میں ایران خلیج میں جوہری طاقت کی حیثیت سے اپنی اجارہ داری قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ مگر دوسرے لوگ اس کے برعکس یہ رائے رکھتے ہیں کہ ایران کی جوہری طاقت کا اصل محور اگر خلیج میں امریکا کی موجودگی اور دوسرے مسلم اور عرب ممالک ہی ہوں تب بھی اسرائیل کو ایک بیرونی خطرے کی حیثیت سے اس سے نمٹنے کے لیے حفاظتی اور پیشگی اقدامات کے لیے تیار رہنا چاہیے کیونکہ تل ابیب اور حیفہ پر ایک یا دو ایٹمی حملے عملاً اسرائیل کو ایک ریاست کی حیثیت سے ختم کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اسی لیے متعدد اسرائیلی حکام اور ماہرین کا کہنا ہے کہ ایرانیوں کے جوہری پروگرام کے اصل محرکات خواہ کچھ بھی ہوں، اسرائیل کو اسے جوہری صلاحیت حاصل کرنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔ ان میں سے کچھ خود حفاظتی اقدام کے طور پر پیشگی حملوں کے حامی ہیں۔ مگر بعض ماہرین کا خیال ہے کہ اسرائیل کے لیے ایران کے خلاف فوجی کارروائی ممکن نہیں ہے۔ ان کے بقول اسرائیل امریکا کی طرح ایرانی جوہری مراکز کو نشانہ بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس مقصد کے لیے اس کے پاس موزوں ہتھیار اور وسائل نہیں ہیں۔ اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ اسرائیل کی جانب سے ایسی کوئی بھی کوشش مشکلات سے بھرپور ہو گی۔ اسرائیل کے پاس اس قسم کے مشن کے لیے روایتی بیلسٹک میزائل یا زمین اور سمندر سے داغے جا سکنے والے کروز میزائل نہیں ہیں۔ پھر یہ میزائل اردن، سعودی عرب یا ترکی کے اوپر سے گزر کر ہی ایران پہنچ سکتے ہیں۔ سب سے مختصر روٹ براستہ اردن بنتا ہے۔

اس صورت میں میزائل کو پندرہ سو سے سترہ سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنا ہوگا۔ جبکہ سعودی عرب کی شکل میں یہ فاصلہ انیس سو سے اکیس سو اور ترکی کا راستہ اپنانے کی صورت میں فاصلہ چھبیس سو سے اٹھائیس سو کلومیٹر بنے گا۔ پھر اسرائیل کے میزائل ان ملکوں کے ریڈارز پر دیکھے جائیں گے۔ اس صورت میں ان ملکوں میں احتجاجی ردعمل ابھرے گا۔ ان کی حکومتیں اس کارروائی کو برداشت کرلیں تو سمجھا جائے گا انہوں نے امریکا کے اشارے پر ایسا کیا ہے۔ اگر ریڈار سے بچنے کے لیے بہت نیچی اڑان رکھی جائے تو ہدف کو تباہ کرنے میں مشکلات پیش آئیں گی۔ عراق کے راستے ایرانی ٹھکانوں کو نشانہ بنایا جائے تو عراق میں امریکا کے خلاف تحریک میں شدت پیدا ہوگی۔ غرض ان تمام صورتوں میں مسلم ملکوں میں امریکا مخالف جذبات میں شدت رونما ہوگی۔ اسرائیل کے ایف پندرہ اور ایف سولہ طیارے لمبی پرواز کرسکتے ہیں اور اس دوران ری فیولنگ کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں لیکن ان بمبار طیاروں کے لیے لڑاکا طیاروں کے دستے کے بغیر اپنی حفاظت کرنا دشوار ہوگا۔ مزید یہ کہ اسرائیلی طیاروں کے لیے ایران کے زیرزمین زیادہ اہم اور ملک کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے جوہری مراکز کو تباہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اسرائیل کے ہارپون جیسے پریسیشن گائیڈڈ میزائل موجودہ صورت میں تو اتنی وسیع رینج نہیں رکھتے کہ ایران کے اندر اہداف کو نشانہ بناسکیں مگر اسرائیل ان کی صلاحیت میں اضافہ کرکے انہیں اس قابل بناسکتا ہے۔ متعدد رپورٹوں کے مطابق اسرائیل نے امریکا کی مدد سے اس سلسلے میں تیاریاں شروع کررکھی ہیں۔ 1981ء میں اسرائیل نے عراقی ایٹمی ری ایکٹر تباہ کرنے کی جو کارروائی کی تھی، اس کا موازنہ ایران کے خلاف کسی کارروائی سے کیا جائے تو بہت مختلف صورتحال سامنے آتی ہے۔ اس وقت کے مقابلے میں اسرائیل اگرچہ سٹیلائٹ گائیڈڈ جے ڈی اے ایم بم، آبدوزوں سے چلائے جانے والے کروز میزائل اور اسپیشل آپریشن فورس کی شکل میں کارروائی کی بہتر صلاحیت رکھتا ہے، اس کے باوجود ایران کے جوہری مراکز کو نشانہ بنانا عراق کے خلاف کی گئی کارروائی کی نسبت بہت مشکل ہے۔ تاہم اسرائیل ان رکاوٹوں پر قابو پانے کی کوشش کرسکتا ہے اور سینئر امریکی حکام کے مطابق اسرائیل ایران پر فضائی حملوں کی کم از کم ایک یلغار کی اہلیت رکھتا ہے۔ امریکی نائب صدر ڈک چینی 20 جنوری

2005ء کو کہہ چکے ہیں کہ ایران کی جانب سے اسرائیل کی تباہی کی خواہش کے اعلان کے بعد اسرائیل اپنے دفاع کے لیے خود پہلے ایران پر حملہ کرنے کا فیصلہ کرسکتا ہے اور اس کے سفارتی نتائج سے نمٹنے کا کام دنیا پر چھوڑ سکتا ہے۔ اسرائیلی چیف آف اسٹاف جنرل موشے یالون نے اگست 2004ء میں کہا تھا کہ اسرائیل کو دنیا کی طرف سے ایران کو ایٹمی طاقت بننے سے روکے جانے کا انتظار کرنے کے بجائے اس کوشش کو خود ناکام بنادینا چاہیے کیونکہ ایسا نہ کیا گیا تو مشرق وسطیٰ کی اعتدال پسند ریاستوں میں بھی انتہا پسندی بڑھے گی۔ جنرل یالون کا کہنا تھا کہ یہ کام اسرائیل فضائی حملے کے بغیر اسرائیلی اور امریکی خفیہ کارندوں اور اسپیشل فورس کے ذریعے انجام دے سکتا ہے۔ اسرائیل نے اطلاعات کے مطابق فروری 2005ء میں امریکا سے پانچ سو بنکر بسٹر بم خریدے ہیں۔ یہ اقدام طاقت کے اظہار کے لیے بھی ہوسکتا ہے اور ایران پر حملے کی تیاری کے لیے بھی۔ تاہم بریگیڈیئر جنرل شولمو برام کے بقول اسرائیل ایران کے جوہری پروگرام کو کچھ زیادہ نقصان پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ وہ محض ایک اچانک حملہ کرکے چند ٹھکانوں ہی کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ خفیہ کارروائی کے لیے جاسوسی کا جو نیٹ ورک ضروری ہے، وہ بھی اسرائیل کے پاس نہیں ہے۔ پھر امریکی حملے کی صورت میں ایران جس قسم کی جوابی کارروائیاں کرسکتا ہے، ویسی ہی کارروائیاں اسرائیلی حملے کی شکل میں بھی اس کے لیے ممکن ہیں۔ چنانچہ ایرانی حکام واضح کرچکے ہیں کہ امریکا یا اسرائیل نے ایران پر حملہ کیا تو انہیں سنگین نتائج بھگتنے ہوں گے۔ انتقامی کارروائی کے طور پر ایران شہاب سوم میزائلوں کو کیمیائی، حیاتیاتی اور ریڈیائی وار ہیڈز سے لیس کرکے تل ابیب، اسرائیل کے فوجی اور شہری ٹھکانوں اور مشتبہ جوہری مراکز کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ حزب اللہ اور حماس جیسی اپنی حامی تنظیموں کے ذریعے جنوبی لبنان اور شام سے اسرائیل پر، حیاتیاتی، کیمیائی، ریڈیائی، میزائل اور خودکش حملے کرا سکتا ہے۔ اسرائیل کے اندر اور باہر اسرائیلی سفارت خانوں اور مفادات کو پاسداران انقلاب اسلامی اور اپنی خفیہ ایجنسیوں کی مدد سے بم دھماکوں وغیرہ کا نشانہ بنا سکتا ہے۔ مزید یہ کہ اسرائیل کا کوئی فضائی حملہ اردن سے اس کے تعلقات کو بہت خراب کردے گا اور سعودی عرب میں شدید منفی ردعمل کا سبب بنے

گا۔اس کے نتیجے میں ایران اپنے جوہری پروگرام کو زیادہ تیزی سے آگے بڑھائے گا اور پڑوسی ملکوں میں اس کے جوہری پروگرام کی حمایت اور امریکا کی مخالفت میں اضافہ ہوگا۔ یوں علاقے میں امریکا اور اس کے اتحادیوں کے مفادات پر القاعدہ جیسے گروپوں کی جانب سے حملوں کے علاوہ خود امریکا کے اندر بم دھماکوں اور کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیاروں کے ذریعے انتقامی کارروائیاں بڑھیں گی۔ دوسری طرف اسرائیل کا موقف ہے کہ اگر ایران کو جوہری طاقت بننے سے روکا نہ گیا تو اس سے علاقے میں جوہری پھیلاؤ اور اسرائیل کے لیے خطرات میں اضافے کا اندیشہ ہے۔

اسٹرے ٹیجک مضمرات

ایران کے جوہری پروگرام کے حوالے سے تمام مضمرات کے واضح ہونے میں ابھی کئی برس لگ سکتے ہیں۔ کسی قسم کی نیوکلیئر ڈیوائس جوہری پھیلاؤ کی ایرانی صلاحیت کی صرف ایک شکل ہے جبکہ ایران کے پاس اس کے متعدد طریقے ہیں جنھیں وہ اپنے دفاع، دوسروں کو خوفزدہ کرنے یا کسی ملک پر حملہ کرنے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ تاہم ان سب کے نتیجے میں صرف ہدف بننے والے ہی کو نہیں خود ایران کو بھی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ حتیٰ کہ جوہری صلاحیت کے حوالے سے محض ابہام قائم رکھنے کی ایرانی حکمت عملی بھی اسرائیل اور امریکا میں یقینی اور روس، بھارت اور پاکستان میں امکانی طور پر، اپنے بچاؤ اور جوابی اقدام کی تیاری کا بندوبست رکھنے کا رجحان پیدا کرے گی۔ برداشت کا رویہ ایران کو مہلک ہتھیاروں کی تیاری سے روکنے کا نہیں بلکہ اس عمل کی حوصلہ افزائی کا سبب بنے گا۔ ایران کی جانب سے اگر واقعی مہلک ہتھیاروں کے استعمال کا اقدام کر ڈالا گیا تو اس کے جواب میں ممکنہ طور پر ایران خود جوہری حملے کا نشانہ بنے گا۔ ایران کی طرف سے اس کھیل کو محدود رکھنے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ ایران کی ابہام کی موجودہ پالیسی سعودی عرب اور مصر میں بھی جوہری صلاحیت حاصل کرنے کی ضرورت کا احساس ابھار سکتی ہے۔ البتہ اگر امریکا انھیں بیلسٹک اور کروز میزائل سے لیس دفاع مہیا کر دے تو ان کی جانب سے تحمل متوقع ہے۔ حتمی بات یہ ہے کہ خلیج کے اس

علاقے میں جو دنیا کو تیل کی فراہمی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، مہلک ہتھیاروں کی تیاری کے سبب شدید خطرات لاحق ہیں۔ ایران کی جوہری سرگرمیاں علاقے میں سنی، شیعہ گروہ بندی اور علاقائی کشیدگیوں میں بھی بڑے اضافے کا سبب بن سکتی ہیں۔ ان میں سے کوئی صورت بھی خوشگوار نہیں ہے۔